ڈاکٹر حافظ شبیر احمد جامعی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ۔ اسلامیہ یونیورسٹی۔ بھاول پور

مستشرقین اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں اگر کوئی زندگی پوری کی پوری سفینوں اور سینوں دونوں طرح سے محفوظ ہے تو وہ حضرت خاتم النبیین رحمۃ للعالمین، احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال جنہیں حدیث کا نام دیا جاتا ہے اور سوانح حیات جس احتیاط، ذمے داری اور فرض شناسی کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں، اس کی نظیر تو خیر کیا ملتی، اس کی پرچھائیں بھی نظر نہیں آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل کو جانچنے کے لیے کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کہا اور کیا، ایک پورا فن وجود میں آیا، جس میں روایت، درایت کی گہرائیاں اور نقل و عقل کی نزاکتیں پائی جاتی ہیں، پھر محدثین (اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر نازل ہو) کی دیانت کا یہ عالم ہے کہ جس راوی میں جو کمزوری انہیں معلوم ہوئی، اس کا بھی انہوں نے برملا اظہار کردیا۔ دنیا کی کوئی زبان اور کوئی قوم ''فن حدیث'' جیسا لٹریچر آج تک پیش نہیں کرسکی۔ اس سے پہلے دنیا ''علم رجال'' سے نا آشنا تھی اور اس اندازِ تحقیق کی بڑے بڑے اہل علم کو ہوا تک نہیں لگی تھی۔ یہ محدثین اور مسلم اہلِ علم کی ابتدائے اسلام سے عادت ثانیہ رہی ہے کہ کسی انسان کے حالاتِ زندگی ضبط تحریر یا بیان کرتے ہوئے اس کے حسن و قبح کو مکمل طور پر ظاہر کردیتے ہیں چاہے، وہ ان کا استاد، یا اس سے بھی زیادہ قابلِ قدر کیوں نہ ہو۔(۱)

ایک ایسی ہستی جس کی سیرت و حدیث کو لکھتے ہوئے مسلمانوں نے کئی فن ایجاد کیے اور اپنی زندگیاں وقف کردیں، اس ہستی کو مستشرقین نے اپنے قلم سے بار بار گزند پہنچانے کی کوشش کی۔

مستشرقین سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، متن حدیث اور سندِ حدیث سے متعلق کیا نظریات رکھتے ہیں؟ ان کا تنقیدی جائزہ لینے سے پہلے ہم چند اصطلاحات کو واضح کردیتے ہیں۔

استشراق کا لغوی مفہوم

یہ لفظ جدید ہے، اس لیے قدیم لغات میں نہیں پایا جاتا۔
لسان العرب کا فاضل مصنف تحریر کرتا ہے:

(شرق) یقال شرقت الشمس اذا طلعت، اشرقت أضائت... و الشرق و کل ما طلع من المشرق فقد شرق و یستعمل من الارض و روی ثعلب من ابن العربی قال: الشرق الضوء الشرق الشمس۔ (۲)

مشرق کہا جاتا ہے: شرقت الشمس ''سورج نکلا'' اور ''شرقت الشمس'' اس وقت کہا جاتا ہے جب سورج طلوع ہوجائے اور روشن ہوجائے۔ اشرقت: جب سورج روشنی پھیلا دے اور مشرق اور ہر وہ چیز جو مشرق سے طلوع ہو اس پر شرق کے لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ثعلب سے روایت کیا ہے کہ الشرق کا معنی روشنی بھی ہے اور سورج بھی۔

اصطلاحی تعریف

استشراق کے معنی مشرقی علوم میں مہارت حاصل کرنا اور مستشرق کے معنی مشرقی علوم کا ماہر اور مشرقی آداب سے آگاہ ہونا ہے۔ (۳)

مولوی عبدالحق: وہ شخص جو مشرقی زبانوں، علوم وفنون، آداب وثقافت اور تہذیب وتمدن وغیرہ پر عبور رکھتا ہے اور ماہر مشرقیات ہے۔ (۴)

عمر فروخ کے مطابق: مستشرق، علومِ اسلامیہ کا وہ مغربی یورپین یا امریکی اسکالر ہوتا ہے جو غیر مسلم ہو۔ (۵)

آکسفورڈ ڈکشنری کی تصریحات کے مطابق: استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاحات ''Orient'' سے مشتق ہیں اور ''Orient'' کے بارے میں تحریر ہے:

Orient to place facing the east, belonging to, or that part or region or heawen in which the sun rises(6)

ڈاکٹر عبد المتعال محمد الجبری اپنی کتاب ''السیرۃ النبویۃ و أوہام المستشرقین'' میں المراد

بالاستشراق کے تحت یوں رقم طراز ہیں:

یراد بالاستشراق دراسة کل شیء عن الشرق، لغاته القدیمة، و لهجاته الحدیثة، و تاریخه و أساطیره طباعه، و عاداته و ادیانه و معادنه و کل مایتصل به من الناس و الحیوان و النباتات و المناخ و التربة و المکنونات الشحفیة و عوامل الفرقة(۷)

استشراق وہ فکری منصوبہ ہے جو مشرق اسلامی کے بارے میں مختلف تعلیمات، تمدن، ادیان، ادب، لغات، ثقافت پر مشتمل تعلیمات میں مثال پیش کرتا ہے۔

تحریک استشراق کا آغاز وارتقا

تحریکِ استشراق کا آغاز اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ہو گیا تھا، لیکن یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے اعتقادات میں رخنہ اندازی میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسلام کے خلاف سب سے پہلے تحریک چلانے والا ساتویں صدی عیسوی کا جان آف دمشق تھا۔ بارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک صرف ایسے ''مستشرقین'' ملتے ہیں، جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور اسلامی تہذیب کا مطالعہ معروضی انداز میں کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے ایک پیٹر الفانسی(Peter Alfansi) جو ہسپانوی یہودی ہے اور دوسرا ولیم آف مالمسبری(William of Malmosbury) ہے۔(۸)

تحریک استشراق کا باقاعدہ اور منظم آغاز صلیبی جنگوں (۱۱ تا ۱۳ صدی عیسوی) کے بعد ایک دینی تحریک کے طور پر ہوا۔ اس تحریک کو سلطنت روما اور پاپائیت کی سرپرستی حاصل تھی۔

سترہوی صدی میں لندن، پیرس، کیمبرج، آکسفورڈ، گلاسگو، ایڈنبرا اور سینٹ اینڈ ریور کی جامعات میں علومِ شرقیہ کی تدریس کے لیے شعبہ جات نے کام شروع کیا۔(۹)

اسی صدی میں بڈویل (Bedwell) (م:۱۶۳۲ء) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب (Muhammad the Imposture) لکھی۔ نجیب العقیقی نے متعدد کتب کے عربی سے لاطینی زبان میں تراجم کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔(۱۰)

استشراق کے تیسرے اور موجودہ دور کا آغاز اٹھارہویں صدی سے ہوا اور یہ اب تک جاری ہے۔ فرانس کے سلوسٹری ساسی (۱۸۵۸۔۱۸۳۸ء) اور برطانیہ کے ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۸۶ء) کو

دورِ جدید کے استشراق کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے۔ (۱۱)

مستشرقین کی پہلی کانفرنس ۱۸۷۳ء میں پیرس میں ہوئی اور کانفرنسوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۷۳ء تک ان میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت تھی۔ (۱۲) اب صرف اہل مغرب ہی کو شرکت کی اجازت ہے۔

بیسویں صدی کے اواخر میں صورت حال یہ ہے کہ اب مستشرقین، مستشرقین کہلوانا پسند نہیں کرتے، دوسری عالم گیر جنگ کے بعد وہ ''ایڈوائزر'' یا ایریا سٹڈی سپیشلسٹ ایکسپرٹ کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ (۱۳)

مشہور مستشرقین

مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی ذات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اس پر ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی نے ''موسوعۃ المستشرقین'' تحریر کیا ہے، جس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ مستشرقین کے بارے میں اہم معلومات موجود ہیں۔ چند معروف مستشرقین کے نام درج ذیل ہیں۔

آربری (Arvury)، بروکلمان گب، (H.A.R.Gibb)، سپرنگر (Springer)، گولڈزیہر، (Goldziher) ڈوزی، (Dozi) ولیم میور، شاخت، (J.Sachacht) مارگولیتھ، (Margoliouth) فانملر، (Phannmueller) ہوروٹس (J. Horowitz)، ہورست، (H.Horst) وان کریمر، (A.Van kremer) کینانی، (L.caetan) نکلسن، (A.R.Nicholoson) آرتھر جیفری، (Arthor Jeffery) منٹگمری واٹ، (Mantguimary Watt) ول ڈیوران، (Will Durant) گلیوم، (A.Gullaume) رابسن، (Robson) ژان بال (G.H.A.Juyaboll)۔ (۱۴)

مستشرقین کے مقاصد

تمام یہود و نصاریٰ چوں کہ اپنے آپ کو اللہ کی مقرب ترین قوم سمجھتے تھے اور آخری نبی کے متعلق وہ گمان رکھتے تھے کہ وہ ہم میں سے ہوگا، مگر جب نبی کریم ﷺ بنو اسماعیل میں پیدا ہوئے تو یہود و نصاریٰ نے صرف حسد اور بغض کی وجہ سے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر کے نبی اکرم ﷺ اور اسلام کے دشمن ہو گئے۔

استشراق کا سب سے اولین اور اہم ترین مقصد دین اسلام کا خاتمہ اور عیسائیت کی تبلیغ وترویج ہے، عیسائی خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مشرق میں مغرب والوں کے قدم تب تک نہیں جم سکتے جب تک مشرق والے قرآن پڑھتے ہیں۔(۱۵)

اس کے علاوہ حضور ﷺ اور اسلام سے نفرت کا اظہار، مسلمانوں کو یہودی اور عیسائی بنانے کی کوشش، قرآن حکیم، احادیث مبارکہ، عقائد وارکانِ اسلام کی نفی وتضحیک اور مناظرانہ ومقابلانہ کتب لکھ کر مسلمانوں کے دین کو جھوٹا اور پیغمبر اسلام کو (نعوذ باللہ) نبی کاذب ثابت کرنا ہے۔

مستشرقین کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔قرآن مجید کو کلام اللہ کا درجہ دینے کے بہ جائے محمد عربی ﷺ کا کسی دنیاوی ذریعے سے حاصل کردہ کلام ثابت کر کے اس کے مقام ومرتبے کو مسلمانوں کے نزدیک کم کردیا جائے۔

۲۔حفاظت قرآن کے تاریخی مراحل کو مشکوک ٹھہرا کر قرآن کی اہمیت کو انسانوں اور مسلمانوں کے نزدیک ختم کردیا جائے۔

۳۔معلم القرآن رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر مختلف تاریخی، قانونی، تہذیبی اور اخلاقی اعتراض لگا کر ان کی شخصیت کی عظمت اور یکتائی کو مجروح کر کے متنازعہ بنا کر ان کے اسوۂ حسنہ کی حیثیت کو ختم کردیا جائے۔

۴۔حدیث نبوی ﷺ جو دراصل قرآن کی تفسیر میں تمام امتِ محمدیہ ﷺ کو آج تک متحد رکھے ہوئے ہے اور صرف اس کی وجہ سے آج تک تمام مسلمان ایک قرآن پر متفق ہیں، کو مشکوک اور چند اشخاص یا سلاطین بنوامیہ وبنوعباس کی خودساختہ تصانیف قرار دے کر اس کی استنادی حیثیت کو مجروح کر کے اس کی حجیت کو بالکل ختم کردینا۔

۵۔مسلمانوں کے عظیم علمی ورثے، جس پر ان کو آج تک ناز ہے اور یورپ اپنی عظیم تر سائنسی ترقی کے باوجود مختلف علوم کے تاریخی ورثے کی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے طفل مکتب کے مقام پر بھی نظر نہیں آتا، کو ایک افسانوی اور لایعنی سرمایہ قرار دے کر مسلمانوں کو بہ یک قلم اس سے تہی دامن کر کے نیا علمی ورثہ مرتب کرنے کی دعوت دینا، تاکہ ان کا عظیم تر ماضی سے رشتہ کاٹ کر ان کو نہ آگے کا رہنے دیا جائے اور نہ پیچھے کا۔

۶۔مسلم علمائے کرام جن کی ان تھک عقلی ونقلی جہد عظمیٰ کی وجہ سے آج کے سیاسی میدان میں

پسے ہوئے مسلمان بھی علمی میدان میں گردن اٹھا کر بات کرنے کے قابل ہیں، کے بارے میں مسلمانوں میں مختلف شکوک وشبہات کو جنم دے کر ان سے ان کا رشتہ ختم کرا دیا جائے۔

۷۔ اسلام کی ابدی اور بنی نوع انسان کے لیے ہر زمان ومکان میں سود مند تعلیمات اور احکام کو، چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہے یا معاملات سے، مختلف ادوار کے سلاطین اور حکم رانوں کے خود ساختہ احکام قرار دے کر ان کو اسلامی معاشرے میں مروج کرنے کے فلسفے کو رواج دینا، تاکہ مسلمانوں کا تمام عالم میں مختلف فقہی واعتقادی فرقہ ہونے کے باوجود متحدہ دینی تشخص جس سے آج تک قدیم وجدید نظریات محروم ہیں، مجروح ہو جائے۔

۸۔ مسلمانوں کو یورپی معاشرے کی مانند نفسانیت پرستی کی طرف مائل کرنا، تاکہ وہ اٹھارہویں صدی اور اس سے ماقبل مسلمانوں کے تمام عالم پر سیاسی وعملی غلبہ قائم رکھنے کی اصل وجہ تمسک بہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی بہ جائے اپنے مزعومات میں حد سے زیادہ غلو کرنے کی عادت ڈالیں اور دین میں نئے نئے فلسفے اور طریقے ایجاد کرنے کا شوق پیدا کریں، تاکہ ان کو پھر کبھی سیاسی اقتدار نہ مل سکے اور ان کی وحدت دینی کا شیرازہ بھی بکھرا رہے۔

۹۔ اسلامی قانون جس کی بنیادیں قانون سازی کے طریقے اور تمام فروعات بالکل جدید اور اپنی ایک خاص اساس رکھنے والی ہیں اور ان کی بنیاد پر ایک سمندر کی مانند پھیلا ہوا فقہی لٹریچر، جس کی مثال قدیم وجدید زمانے میں پیش کرنے سے قاصر ہیں، کو رومی قوانین سے ماخوذ اور اس کا چربہ قرار دینا اور یہ ثابت کرنے کی ناکام سعی کہ مسلمانوں کی اپنی کوئی قانونی بنیادیں نہیں ہیں۔

۱۰۔ مسلمانوں کو عملی، اعتقادی اور عملی طور پر اس قدر تہی دست کرنا، تاکہ وہ ایک اپاہج قوم بن جائیں اور قرونِ اولیٰ کی مانند پھر کبھی دنیا میں ان کا غلبہ نہ ہو سکے اور اس اندھیرے میں عالم عیسائیت کو بھرپور طریقے سے اپنے کھیل کا موقع مل جائے۔

مستشرقین اور سیرت

اصطلاح میں محمد علی الفاروقی کے مطابق آں حضرت ﷺ کے حالاتِ زندگی اور اخلاق و عادات بیان کرنے کا نام سیرت ہے۔(۱۶)

مستشرقین اور سیرتِ رسول

اسلام کا جو شعار مستشرقین کے حملوں کا خصوصی نشانہ بنا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ تھی۔ وہ عظیم ہستی جس کے دامن پر ان لوگوں کو کوئی دھبہ نظر نہ آیا، جو ایک ہی گھر کی چار دیواری میں برسوں اس کے ساتھ رہے۔ جنہوں نے اسی گھر میں آنکھ کھولی اور اس ہستی کی نجی زندگی کے ایک ایک شعبے کو ان ہی آنکھوں سے دیکھا، جس ہستی کو ان لوگوں نے صادق اور امین کہا۔ جس ہستی کے دامن سے وابستگی کو ان لوگوں نے سعادت دارین سمجھا، جن کی تلواریں مسلسل پندرہ بیس سال تک اس کے خلاف بے نیام رہیں، اس ہستی کے دامن پر دھبے تلاش کرنا حماقت بھی ہے اور ظلم بھی۔

مستشرقین نے سیرت رسول کے خلاف جو کچھ لکھا ہے، جھوٹ اور فریب کے سہارے لکھا ہے، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، لیکن تہذیب وثقافت کی ترقی کے اس دور میں جھوٹ بولنا ایک فن بن گیا ہے۔ ابوسفیان دربار ہرقل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کہہ سکا تھا جو جھوٹی ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کٹر دشمن ہونے کے باوجود فن دروغ گوئی کا ماہر نہ تھا، وہ کافر ضرور تھا لیکن اس کے نزدیک جھوٹ ایک اخلاقی مرض تھا، اس لیے وہ جھوٹ نہ بول سکا۔ مستشرقین کے نزدیک جھوٹ ایک اخلاقی مرض نہیں بل کہ ایک فن ہے اور فن کوئی بھی ہو اس میں کمال، کمال ہوتا ہے۔ جھوٹ بولنے کے لیے کسی علمی بنیاد کی ضرورت نہیں ہوتی، صرف ذہن کی زرخیزی درکار ہوتی ہے اور مستشرقین کے اذہان منفی کاموں کے لیے بہت زرخیز ہوتے ہیں۔ (۱۷)

مستشرقین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے گرد شکوک وشبہات کے جال بنانے کی کوشش کی ہے، تحقیق کے لبادے میں تشکیک ان کا طرۂ امتیاز ہے، جس کو انہوں نے یوں عملی جامہ پہنایا:

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سماجی مقام کو کم کرنا۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرگی کا مریض قرار دینا۔ (نعوذ باللہ)

۳۔ اپنی رسالت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان کو مشکوک ثابت کرنا۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابیوں کی مادی توجیہات۔

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شرک کا الزام۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تشدد پسندی کا الزام۔

۷۔تعدد ازواج کا مسئلہ۔

۸۔پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شادیوں کے خلاف مستشرقین کا واویلا۔

۱۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سماجی مقام کو کم کرنا

مستشرقین یہ سوچتے ہیں کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاندانی عظمت کو گھٹا کر پیش کریں گے تو ان لوگوں کی نظروں میں آپ کا مقام گھٹے گا، جن کے نزدیک صرف اور صرف نسل ہی معیارِ عظمت ہے اور اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مادی طور پر کم زور، بے آسرا اور احساسِ محرومی کا شکار ثابت کریں گے تو قارونی سوچ رکھنے والے ان لوگوں کی نظروں میں آپ کا گھٹے گا، جو انسان کی قیمت اس کا بینک بیلنس دیکھ کر لگاتے ہیں۔

منٹگمری واٹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رضاعی ماں کے سپرد کرنے کا سبب آپ کی یتیمی کو قرار دیتا ہے۔ واٹ لکھتا ہے:

> The fact that Muhammad was a posthumous child may of course, have been part of the reason for sending him to wet -nurse. (18)

> یہ حقیقت کہ محمد یتیم پیدا ہوئے تھے، آپ کو مرضعہ کے سپرد کرنے کے مختلف اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے۔

مستشرقین کی یہ منطق بڑی عجیب ہے کہ وہ کسی بچے کو مرضعہ کے سپرد کرنے کو اس بچے کی غربت، بے بسی اور بے کسی کی دلیل قرار دے رہے ہیں، حال آں کہ بچوں کو رضاعی ماؤں کے حوالے وہی لوگ کرتے ہیں جو رضاعت کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں اور مرضعات بھی ان ہی بچوں کو رضاعت کے لیے قبول کرتی ہیں جن کے سرپرستوں سے انہیں بہتر اخراجات ملنے کی امید ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے بچوں کو رضاعت کے لیے دیہاتی علاقوں کی عورتوں کے سپرد کرنا مکہ کے معزز گھرانوں کا معمول تھا اور یہ عمل باعثِ عزت سمجھا جاتا تھا۔

یہ مفروضہ ثابت کرنے کے لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احساسِ محرومی کا شکار تھے، منٹگمری واٹ لکھتا ہے:

Psychology teaches us the inportance of painfull experiences in the first two or three years of life. The absence of a father must have produced a sense of deprivation in Muhammad, and the real experience of poverty as a young man may well have nourished the sense of deprivation.

علم نفسیات ہمیں زندگی کے ابتدائی دو یا تین سالوں کے دردناک تجربات کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔ باپ کے نہ ہونے سے محمد کے دل میں احساس محرومی نے جنم لیا ہوگا اور بچپن اور لڑکپن کی غربت کے تجربات نے اس احساس کو تقویت دی ہوگی۔

مستشرق مذکور کے یہ تمام مفروضے باطل اور بے بنیاد ہیں۔ جس بچے کو اس کا عظیم دادا جان سے عزیز سمجھتا ہو، جس کے کئی چچے، اس کو اپنے مرحوم بھائی کی نشانی سمجھتے ہوں اور اس پر جان چھڑکتے ہوں، جس کو حلیمہ اور اس کے شوہر نے اپنے حقیقی بچوں سے بھی زیادہ شفقت دی ہو، اس بچے کے دل میں احساس محرومی پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۱۹)

صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ بھر کا ایک جہاں دیدہ انسان عروہ بن مسعود ثقفی، بات چیت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تھا۔ اس نے محمدی خیمہ گاہ کے حالات کا جائزہ لیا تھا، اور پھر کفارِ مکہ کے پاس واپس جا کر جو رپورٹ پیش کی تھی۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

ای قوم و اللہ وفدت علی الملوک و فدت علی قیصر و کسریٰ و النجاشی و اللہ ان رأیت ملکا قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد و اللہ ان تنخم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منھم فذٰلک بھا وجھہ وجلدہ و اذا امرھم ابتدروا امرہ و اذا توضا کادو یقتلون علی وضوئہ و اذا تکلم خفضوا اصواتھم عندہ و ما یحدون الیہ النظر تعظیما لہ۔ (۲۰)

اے میری قوم! خدا کی قسم میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں۔ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے کبھی کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا، جس کے ساتھی اس کا اس طرح احترام کرتے ہوں، جس طرح محمد کے صحابہ ان کا احترام کرتے ہیں۔ وہ جب تھوکتے ہیں تو ان کا تھوک صحابہ میں سے کسی کی ہتھیلی پر گرتا ہے اور وہ اسے

اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے۔

جب وہ حکم دیتے ہیں تو وہ تعمیل ارشاد کی طرف لپکتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان کے اصحاب ان کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لیے آپس میں لڑ پڑیں گے۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو وہ اپنی آوازوں کو دھیما کر لیتے ہیں اور ان کے احترام کی وجہ سے ان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر نہیں دیکھتے۔

یقیناً مسلمان اس وقت بھی یہی سمجھتے تھے اور آج بھی وہ مسلمان جنہوں نے مستشرقین سے ذہنی غذا حاصل نہیں کی، وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ قصر اسلام کی بقا اور استحکام کا دارومدار خدا کے کلام اور خدا کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر ہے۔

۲۔ حضور کو مرگی کا مریض قرار دینا

مستشرقین کے بے بنیاد الزامات میں سے ایک الزام یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نعوذ باللہ) مرگی کے مریض تھے۔ مستشرقین نے جن واقعات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرگی کے مرض میں مبتلا ہونے کا سراغ لگایا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرشتوں کو دیکھنا۔

۲۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کی روایت کے مطابق فرشتوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے کو چاک کرنا۔

۳۔ حالتِ وحی میں رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثنا کی حالت کا متغیر ہونا۔

۴۔ کفارِ مکہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون کہنا۔

۵۔ حضرت حلیمہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر بادل کو سایہ کناں دیکھنا۔

ولیم میور ایک مقام پر لکھتا ہے:

There were periods at which the excitement took the shape of a trance or vision. Of these we know but little. Some Christian writers have connected them with the symptomsnoticed in his childhood. Such swoons or reveries are said sometimes to have proceded. The descent of inspiration even in later life. (21)

کچھ مواقع ایسے آتے جب بے قراری وجد یا کشف کی شکل اختیار کر لیتی۔ ہم ان کی

تفصیلات سے بہت کم آگاہ ہیں، بعض عیسائی مصنفین نے ان کیفیات کو مرگی کے دورے قرار دیا ہے اور ان کا تعلق ان علامات سے جوڑا ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن میں نظر آتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری حصے میں بھی نزول وحی سے پہلے آپ پر اس قسم کی غشی اور بے داری کے سپنے کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔

ولیم میور نزول وحی کو مرگی کے دورے قرار دینے کے کام کو کچھ عیسائی مصنفین کی طرف منسوب کرتا ہے، حال آں کہ وہ خود ان عیسائی مصنفین میں سرفہرست ہے۔ اپنی اس کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

......At the moment of inspiration.......... anxiety pressed upon the prophet and his countenance became troubled sweat dropped from his forehead and he would fall to the ground as in a trance.

نزول وحی کے وقت بے چینی پیغمبر اسلام کو گھیر لیتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوجاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح زمین پر گر پڑتے، جس طرح انسان حالتِ وجد میں زمین پر گر پڑتا ہے۔

نزولِ وحی کے وقت چہرہ مبارک کے آثار میں تبدیلی اور پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپکنے کا ذکر احادیث طیبہ میں موجود ہے۔ ولیم میور نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالتِ وحی میں اس طرح زمین پر گر پڑتے تھے، جس طرح کوئی شخص حالتِ وجد میں زمین پر گر پڑتا ہے۔ اس نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ زمین پر گر جانے والی بات بھی حدیث کا حصہ ہے، لیکن اس نے خود ابتدائی سیرت نگاروں کے حوالے سے نزولِ وحی کی تفصیلات کا جو طویل اقتباس دیا ہے، یہ الفاظ اس اقتباس کا حصہ نہیں۔

ہم جدید تحقیقات کے حوالے سے مرگی کے مرض کی حقیقت، اس کی نشانیاں اور اس کے اثرات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، تاکہ ان کی روشنی میں وہ خود یہ فیصلہ کرسکیں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی نظر آتی ہے؟

فنک اینڈ ویگنیلز نیو انسائیکلو پیڈیا (Funkand Wagnails new Encyclopaedia)

میں مرگی کی علامتیں یہ بتائی گئی ہیں:

Epilepsy chronic brain disorder characterized by repeated convulsion or seizures. The seizures differ with the type of condition and may consist of loss of consciousness, convulsive jerking of parts of the body, emotional explosions, or periods of mental confrontation (22)

مرگی شدید ذہنی بیماری ہے جس کی خصوصیت بار بار پڑنے والے دورے ہیں۔ یہ دورے ذہنی خرابی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مریض کی حالت مختلف ہونے سے دوروں کی کیفیت بدلتی رہتی ہے اور یہ دورے بے ہوشی، جسم کے مختلف اعضاء کے جھٹکوں، جذباتی غل غپاڑے یا ذہنی خلل کے وقفوں پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرگی کے دوروں کا الزام اتنا لغو ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے محیر العقول کارناموں کے تناظر میں اتنا ناقابل یقین ہے کہ خود متعدد مستشرقین نے زور وشور سے اس الزام کی تردید کی ہے۔ منٹگمری واٹ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اعتراضات اور الزام تراشیوں کے بہانے تلاش کرتا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لگائے جانے والے مرگی کے الزامات کی وہ بھی پرزور الفاظ میں تردید کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

On some occasions at least there were physical accompaniments. He would be grippedby a falling of pain, and in his ears there would be noise like the reverberation of a bell. Even on a very cold day the bystanders would see great pearls of sweat of his forehead as the revelation descended upon him. Such accounts led some western critics to suggest hat he had epilepsy, but there are no real grounds for such a view. Epilepsy leads to physical and mental degeneration, and there are no signs of that in Muhammad. On the contrary he was clearly in full possession of his faculties to the very end of his life.

(نزول وحی کے وقت) کبھی کبھی کچھ جسمانی عوارض بھی پیش آتے تھے۔ آپ کو شدید درد کا

احساس ہوتا، کانوں میں گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی، جب وحی کا نزول ہوتا تو پاس کھڑے ہوئے لوگ شدید سردی کے عالم میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر پسینے کے موتی دیکھتے۔ اس قسم کی چیزوں سے بعض مغربی نقادوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرگی کے مریض تھے، لیکن اس خیال کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے۔ مرگی انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر کم زور کردیتی ہے، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس قسم کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس کے برعکس آخر تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ذہنی اور جسمانی قویٰ واضح طور پر صحیح اور سلامت تھے۔

۳۔ اپنی رسالت پر حضور کے ایمان کو مشکوک ثابت کرنا

مستشرقین کو سیرت اور احادیث کی کتابوں میں مندرجہ ذیل چیزیں نظر آئیں:

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب جبرائیل امین علیہ السلام غارِ حراء میں تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن حکیم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، تو اس نئے تجربے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خوف کے آثار طاری ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے یہ جملہ کہا:

مجھے اپنی جان کا خوف لاحق ہوگیا ہے۔

۲۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غم گین ہوئے اور اس غم کی وجہ سے بارہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہاڑ کی چوٹی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کرنے کی کوشش کی، لیکن ہر بار جبرائیل امین حاضر ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتاتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، جس سے آپ کا غم کم ہوجاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ارادے سے باز رہتے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن عجیب وغریب روحانی تجربات سے گزرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا تذکرہ اپنی مونس اور وفادار اور رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ سے کرتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتیں۔

۴۔ قرآن حکیم کی ابتدائی آیات نازل ہونے پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو تورات و انجیل کے عالم تھے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین دہانی کرائی کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔

ولیم میور لکھتا ہے:

The conviction, however of being inspired of God was not reached by Mahomet till after protracted trial of mental throes.

حضرت محمد ﷺ کو خدا کی طرف سے اپنے اوپر وحی نازل ہونے کا یقین ذہنی کشمکش کی طویل آزمائش کے بعد حاصل ہوا۔

یہی مستشرق ایک اور مقام پر فترتِ وحی کی وجہ سے حضور ﷺ پر طاری ہونے والی پریشانی کی تصویر کشی ان الفاظ میں کرتا ہے:

He grew downcast and fearing possession of thoughts of destroying himself. (23)

نزول وحی کے ابتدائی دور میں حضور ﷺ کی بے یقینی کو ان الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے:

In the early days, soon after the first revelation, he is said to have been encouraged to believe in his vocation by his wife khadijah, and more particularly, by her cousin Warqah nevertheless, the testimony of a Christian that the revelations to Muhammad were similar to those formerly received by Moses must have greatly strengthened his belief in his vocation. (24)

بتایا گیا ہے کہ محمد کو ابتدائی وحی نازل ہونے کے بعد خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے یقین دلایا کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے بھی زیادہ یہ یقین دہانی آپ کو ورقہ بن نوفل نے کرائی۔ ایک عیسائی کی اس یقین دہانی نے کہ آپ پر جو وحی نازل ہوتی ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحی کے مشابہ ہے، اپنے منصب نبوت پر آپ کے یقین کو پختہ کیا ہوگا۔

جب یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضور کو ابتداء میں اپنے نبی ہونے کا یقین نہ تھا، اور نہ ہی آپ کو یہ یقین تھا کہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے تو مستشرقین کا کام مکمل ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کے بعد اسلام کو الہامی دین ماننے اور حضور ﷺ کو خدا

کا سچا نبی ماننے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ جب ایک نبی کو اپنے نبی ہونے کا یقین دوسروں کے بتانے سے آئے تو اس کی صداقت کو دوسرے لوگ کیسے تسلیم کرلیں؟

مستشرقین خود جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے محیر العقول کارناموں کو دیکھتے ہیں تو تسلیم کرتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مشن کی صداقت پر کامل ایمان نہ ہوتا تو آپ قطعاً وہ حیران کن کارنامے سرانجام نہ دے سکتے جو آپ نے انجام دیے۔ ولیم میور ان لوگوں میں سے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خود کشی کا ارادہ کرنے کا الزام لگانے والوں میں پیش پیش ہیں اور جو لوگوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مشن کا یقین نہ تھا، اپنے اس انتہائی معاندانہ موقف کے باوجود ولیم میور، خدا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یقین کے متعلق لکھتا ہے:

Indeed nothing is so remarkable as the faith reposed by Mahomet in the deity as an ever present and all-controlling agency. (25)

سب سے زیادہ نمایاں اور حیرت انگیز چیز وہ ایمان ہے جو محمد کو خدا پر تھا، جو ہر جگہ حاضر و ناضر اور ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے۔

منٹگمری واٹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کٹھن مشن کے لیے یقین کامل کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لکھتا ہے:

To carry on in face of persecution and hostility would have been impossible for him unless he was fully persuaded that God had sent him, and the receiving of revelations was included in his divine mission. (26)

اگر محمد کو یہ یقین نہ ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور آپ پر وحی نازل ہوتی ہے تو اذیتوں اور مخالفتوں کے طوفان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنے مشن کو جاری رکھنا ممکن نہ رہتا۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام اور آپ کی کامیابیوں کی مادی توجیہات

ولیم میور مدینہ طیبہ میں اسلام کے تیزی سے پھیلنے کی کیفیت اور اس کے اسباب کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

So good was the ground, and the propagation so zealous, the faith spread from house to house and from

tribe to tribe. The Jews looked on the amazement. The people whom they had for ages sought in vain to convert from the errors of polytheism, were now casting their idols to the moles and bates and professing belief in only God. The secrete lay in the aptness of the instrument. It was native and congenial. Judaism, foreign in its birth, touched no Arab sympathies, Islam, grafted on the faith and superstitions, the customs and nationality of the Arabs, found ready access to their hearts. (27)

ماحول سازگار اور تبلیغ اتنی پر جوش تھی کہ مذہب اسلام ایک گھر سے دوسرے گھر اور ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے تک پھیلنے لگا، یہودی حیرت سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ جن لوگوں کو بت پرستی کی قباحتوں سے دور رکھنے کے لیے وہ کئی نسلوں سے ناکام کوششیں کر رہے تھے، وہ لوگ اب اپنے بتوں کو چھچھوندروں اور چمگادڑوں کے سامنے پھینک کر خدائے واحد پر ایمان لا رہے تھے۔ اس کامیابی کا راز وسیلے کی موزونیت میں پنہاں تھا۔ یہ مذہب مقامی اور طبیعتوں کا موافق تھا۔ یہودی مذہب جو اجنبی ممالک کی پیداوار تھا، وہ عربوں کی ہمدردیاں حاصل نہ کر سکا اور اسلام جو عربی عقائد توہمات قومیت اور رسوم کی پیوند کاری سے بنا تھا وہ سرعت کے ساتھ عربوں کے دلوں میں گھر کر گیا۔

صاحب ضیاء النبی اس کا جواب کچھ اس انداز سے دیتے ہیں:

مستشرقین کی تحقیق کا عام انداز یہی ہوتا ہے۔ جو حقائق ان کے مئوقف کے خلاف ہوتے ہیں، وہ ان حقائق کو اپنے موقف کی حمایت میں پیش کرنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ عرب سر سے پاؤں تک شرک اور بت پرستی کی لعنت میں غرق تھے۔ یہودیوں نے بھی ان کو اس غلاظت سے نکالنے کی کوشش کی۔ اور بعد میں اسلام نے بھی۔ یہودیت اپنی ان کوششوں میں کلیتاً ناکام رہی اور اسلام کو عربوں کی اصلاح کی کوششوں میں اس سرعت سے کامیابی حاصل ہوئی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اس تاریخی حقیقت سے منطقی نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ یہودی عقائد، عبادات اور قواعد وضوابط میں وہ جان اور تاثر نہ تھی،

جو عربوں کو اپنی طرف مائل کر سکتی، لیکن اسلام کی تاثیر نے عربوں کو فتح کر لیا۔(۲۸)

ٹارا ینڈ رائے نے حضور کے دعویٰ نبوت کے لیے ایک اور محرک تلاش کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہودی ایک نبی کے منتظر تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس چیز کا علم تھا اور اس بات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعویٰ نبوت و رسالت کی طرف مائل کیا، وہ کہتا ہے:

> Muhammad knew of the Jewish expectation of the coming messiah. He knew that a prophet in Torah was promised in that he would the comforter. For him, this belief in messiah provided a support for his conviction of his call, but he cannot have intended it. (29)

> محمد کو معلوم تھا کہ یہودی ایک مسیح کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ تورات میں ایک رسول کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے تورات کے اس وعدے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس وعدے کے ساتھ ملا دیا کہ وہ ایک تسلی دینے والا بھیجیں گے۔ ایک نبی کے آنے کے عقیدے نے اس یقین میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد تو کی ہوگی کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، لیکن تورات اور مسیح کے یہ وعدے ان کی ایجاد نہیں ہو سکتے۔

ٹارا ینڈ رائے تسلیم کر رہا ہے کہ ایک نبی کی آمد کے متعلق تورات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وعدے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایجاد ہیں۔ یعنی یہ وعدے حقیقتاً تورات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں موجود ہیں۔ جب تورات اور انجیل میں ایسے وعدوں کے موجود ہونے کا مستشرقین کو یقین ہے تو انہیں چاہیے تھا کہ حضور کی ذات اور آپ کی تعلیمات کو اس رسول موعود کی بیان کردہ نشانیوں کے تناظر میں دیکھتے، جیسے بحیریٰ راہب ''ورقہ بن نوفل اور حضرت عبداللہ بن سلام نے دیکھا تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی شکل میں اس رسول ﷺ کو پہچان لیا تھا، جس کی آمد کی بشارتیں سابقہ صحف آسمانی نے دی تھیں۔

حق وہی ہے جو قرآن حکیم فرماتا ہے:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ط (۳۰)

اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔

۵۔ حضور ﷺ پر شرک کا الزام

حضور ﷺ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ ابتدا میں اپنے آبائی دین کی طرف مائل تھے۔ مخالفین اپنے اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے یہ تاثر دیتے ہیں کہ ابتدا میں آپ نے نہ تو توحید کا پرچار کیا اور نہ ہی بتوں کی مخالفت کی۔ جارج سیل ان کی رسوم کو مشرکانہ رسوم قرار دینے کے بعد کہتا ہے:

Muhammad found it much easier to abolish idolatry itself, than to eradicate the super Status bigotry with which they were addicted to that temple,and the sites performed there, wherefore, after several fruitless trials to wean them therefore, he thought it best to compromise the matter, and brother than to frustrte his whole deisgn, to allow them to go to pilgrimage and to direct their prayers thereto. (31)

محمد ﷺ کو یہ بات آسان محسوس ہوئی کہ اہل مکہ جس توہم پرستانہ ہٹ دھرمی سے مکہ کے گرجا کی عزت کے عادی تھے اور وہاں جا کر رسوم ادا کرتے تھے، ان کا قلع قمع کرنے کی بہ جائے خود عقیدہ شرک کی نفی کریں۔

اس لیے آپ نے عربوں کو کعبہ سے دور رکھنے کی کئی ناکام کوششوں کے بعد یہ مناسب سمجھا کہ اس مسئلے پر مصالحت کرلیں۔ اور اپنے سارے منصوبے کو تباہ کرنے کی بہ جائے لوگوں کو بیت اللہ کا حج کرنے اور نمازوں میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کی اجازت دے دیں۔

منٹگمری واٹ بھی اس الزام میں جارج سیل کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

Despite this extirpation of idolatry, many old ideas and practices were stained. (32)

مستشرقین کا یہ الزام اور اس کی دلیل دونوں بے بنیاد ہیں، کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب سے اسلام کی دعوت دینا شروع کی، آپ اسی وقت سے شرک کی مخالفت اور توحید کا پرچار کر رہے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پیغمبر خدا کی دعوت کے جواب میں یہ جملے اپنی زبان سے ادا کیے:

صدقت بی ابی وافی انت واھل الصدق انت اناا شھدان لاالہ الااللہ وانک رسول اللہ (۳۳)

میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں آپ نے سچ فرمایا ہے اور آپ سچوں میں سے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

مستشرقین کہتے ہیں کہ حضور نے ابتدا میں بتوں کی مخالفت نہیں کی تھی۔ کیا **لاالہ لااللہ** کا نعرہ ان تین سو ساٹھ بتوں کی خدائی کا انکار نہ تھا، جو مکہ والوں نے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے؟ مکہ والوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پاک سے یہ نعرہ سنا ہوگا تو کیا اس نعرے میں انہیں اپنے بتوں کی خدائی کا انکار نظر نہ آیا ہوگا؟

مستشرقین نے اسلامی تعلیمات کو شرک سے آلودہ ثابت کرنے کے لیے دوسرا شوشہ یہ چھوڑا ہے کہ قرآن حکیم بتوں کے وجود کا انکار نہیں کرتا، صرف ان کی طاقت کا انکار کرتا ہے۔ اگر علم اور تحقیق اسی چیز کا نام ہے تو پھر انسانیت کا خدا ہی حافظ ہے۔

ایک شوشہ مستشرقین نے یہ چھوڑا ہے کہ قرآن حکیم نے بعض بتوں کی تو مخالفت کی ہے، لیکن بعض دوسرے بتوں کے متعلق اسلام نے مصالحت کا رویہ اپنایا ہے۔ سورۃ النجم میں اس کا جواب ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝۱۹ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝۲۰ (۳۴)

(اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات وعزیٰ کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں پر اس شدت سے حملے کیے تھے کہ بتوں کے پجاری چیخ اٹھے تھے۔ انہیں اپنے خداؤں کی خدائی خطرے میں نظر آنے لگی تھی اور وہ ان کی خدائی کی حفاظت کے لیے تدبیریں سوچنے لگے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف لات وعزیٰ، اور منات کی مخالفت نہیں، کی بل کہ خدا کے سوا جس کسی نے بھی کسی مخلوق کی عبادت کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام اس کے خلاف تھا۔ اس لیے

مستشرقین کا یہ الزام قطعاً بے بنیاد ہے کہ قرآن حکیم نے بعض بتوں کی مخالفت کی اور بعض کے متعلق مصالحانہ رویہ اپنایا۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تشدد پسندی کا الزام

اسلام کے تلوار زور سے پھیلنے کے متعلق جارج سیل ان خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

It is certainly one of the most convincing proofs that Muhammad ism was no other than a human invention, that it owed its progress and establishment almost entirely to the sword; and it is one of the strongest demonstration of the divine origin of Christianity, that it prevailed against all the force and powers of the world by the mere dint of its own truth. (35)

اسلام کے انسانی ذہن کا ہونے کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے کہ اسلام نے اپنی ترویج واشاعت کے لیے کلیتاً تلوار پر انحصار کیا اور عیسائیت کے الہامی دین ہونے کی یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ وہ محض اپنی صداقت کے زور پر دنیا کی تمام طاقتوں کی مخالفت کے باوجود زندہ رہا۔

مستشرقین کو یہ بات تو بڑی عجیب نظر آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مذہبی رہنما ہو کر اپنے پیروکاروں کو تلوار اٹھانے کی اجازت کیوں دے دی، لیکن ان کی نظر جہاد وقتال کی ان متعدد ترغیبات پر نہیں پڑتی، جو عہد قدیم اور عہد نامہ جدید میں جگہ جگہ بکھری پڑی ہیں۔ بائبل اپنے پیروکاروں کو دشمن کے ساتھ جو سلوک کرنے کا حکم دیتی ہے، اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے:

کتاب استثنا کے الفاظ یہ ہیں:

In case you draw near to the city to fight against it, you must also announce to it terms of peace. And it must occur that if it gives a peaceful answer to you and it has opened up to you, it must ever occur that all the people found in it should become yours for forced lab our, and they must serve you. But if it does not make peace with you, and it actually makes war with you and you have to besiege it, Jehovah your God also will certainly give it in to your hand, and you must strike every male in it with

the edge of the sword. (36)

اگر تم کسی شہر کے خلاف جنگ کے لیے اس کے قریب پہنچو تو تمہیں دشمن کے سامنے امن کی شرطوں کا اعلان کر دینا چاہیے۔ اگر وہ تمہاری شرطوں کو مان لیں اور اپنے دروازے تمہارے لیے کھول دیں تو شہر میں موجود تمام لوگ تمہارے جبری خدمت گار بن جائیں گے اور وہ تمہاری خدمت کریں گے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ صلح نہ کریں اور عملاً جنگ کریں اور تمہیں ان کا محاصرہ کرنا پڑے، تمہارا خدا یقیناً ان لوگوں کو تمہارے قبضے میں دے گا۔ تمہیں چاہیے کہ تم ان کے تمام مردوں کو تہ تیغ کر دو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کی امن پسندی کو مستشرقین بہ طور امثال پیش کرتے ہیں، صرف پونے تین سال بنو اسرائیل کو صراط مستقیم کی طرف آنے کی دعوت دی اور آپ ان پونے تین سالوں کے مختصر عرصے میں ان کی سازشوں اور دل آزاریوں سے تنگ آ گئے اور اپنے حواریوں کو تلواریں اٹھانے کا حکم دے دیا۔

لوقا انجیل کے مطابق آپ نے اپنے حواریوں کو یہ حکم دیا:

Then he said to him, But now let the one that has a purse take it up, likewise also a food pouch ,and let the one habing no sword sell his outer garment and buy one. (37)

اس نے کہا مگر اب جس کے پاس بٹوا ہو، وہ اسے لے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس کے پاس تلوار نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے۔

بائبل کے ایک اور مقام پر حضرت عیسیٰؑ کا یہ اعلان درج ہے:

Do not think i came to put peace upon the earth I came to put no peace, but a sword. For I came to cause division, with a man against his father, and a daughter against her mother and a young wife against her mother -in-law. (38)

کیا تم سمجھتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں؟ میں صلح کرانے نہیں بل کہ تلوار چلانے آیا ہوں۔ کیوں کہ میں جدائی ڈالنے آیا ہوں باپ اور بیٹے کے درمیان بیٹی اور ماں کے

درمیان، ساس اور بہو کے درمیان جدائی ڈالنے آیا ہوں۔

جہاد کے متعلق عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کی تعلیمات کی ایک جھلک آپ نے سطور بالا میں دیکھی ہے۔

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دینے کے بعد ان کے لیے جنگ کے ایسے اصول مقرر فرمائے کہ ان اصولوں کی وجہ سے اسلامی جہاد ان جنگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے، جو تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں انسانوں نے توسیع پسندی اور دیگر قوموں کے استیصال کے لیے دوسروں پر مسلط کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۰﴾ (۳۹)

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا، بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔

۷۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شادیوں کے خلاف مستشرقین کا واویلا

آں حضور کی ازدواجی زندگی کے بارے میں قرآن کریم میں مختلف مقامات پر مختلف احکامات نازل ہوئے۔ مثلاً آپ کے لیے کون کون سی عورتیں حلال ہیں، اس کا تذکرہ سورۃ احزاب میں اس طرح سے آیا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۵۰﴾ (۴۰)

اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کر دیں جن کو آپ نے ان کا مہر دے دیا اور وہ کنیزیں بھی جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دی ہیں اور آپ کے چچا کی

وہ بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی وہ بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی وہ بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی وہ بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور وہ مومن عورت بھی جو اپنی جان نبی کو ہبہ کردے بہ شرطے کہ نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ صرف آپ کے لیے ہے اور مومنوں کے لیے نہیں۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں عائد کیا ہے تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے۔ اور اللہ معاف کرنے والا، مہربان ہے۔

پھر آپ کی زندگی کا ایسا مرحلہ آیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزید نکاح کرنے یا کسی زوجہ کو دوسری زوجہ سے بدلنے کی ممانعت کردی:

لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعۡدُ وَلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ یَمِیۡنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ رَّقِیۡبًا ﴿۵۲﴾ (۴۱)

اس کے بعد آپ کے لیے دوسری عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کو بدل کر اور عورتیں کر لیں اگرچہ آپ کو ان کا حسن اچھا معلوم ہو سوائے ان کنیزوں کے جو آپ کی ملکیت میں ہوں اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

مستشرقین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ولیم میور شانِ رسالت میں یوں ہرزہ سرائی کرتا ہے:

Muhammad was now going on to three-score years, but weakness for the sex seemed only to grow with age, and the attractions of his increasing harem were in sufficient to prevent his passion from wandering beyond its ample limits. (42)

اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی، لیکن جنس مخالف کی طرف میلان کی کمزوری میں عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا تھا۔ آپ کے بڑھتے ہوئے حرم کی کشش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی وسیع حدود سے تجاوز سے روکنے کے لیے کافی نہ تھی۔

اکثر مستشرقین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد ازواج کے حوالے سے آپ کے متعلق اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں کو آپ کی پوری زندگی کے پس منظر

میں دیکھا ہے اور نہ انہوں نے یہ سوچا ہے کہ آیا تاریخ میں کوئی اور بھی ایسی ہستی موجود تو ہے جن کا وہ انتہائی احترام کرتے ہیں، لیکن ان کی شادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ تھیں۔

دنیا کے تمام مذاہب میں تعدد ازدواج تھا۔ ان مذاہب کی نظروں میں محترم ہستیاں خود اس پر کاربند رہیں اور اس کی وجہ سے ان کے تقدس میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

مثلاً ہندومت کو لیجیے۔ اس مذاہب کے اکابر کی کئی کئی بیویاں تھیں۔

۱۔ سری رام چندر جی کے والد مہاراجہ دسرت کی تین بیویاں تھیں۔

۲۔ سری کرشن جی، جو اوتاروں میں شمار ہوتے، سینکڑوں بیویاں تھیں۔

۳۔ پانڈوؤں کے جداعلیٰ راجا پانڈو کی دو بیویاں تھیں۔

۴۔ راجہ شنتن کی دو بیویاں تھیں۔

۵۔ بکھر ایرج کی دو بیویاں اور ایک لونڈی تھی۔ (۴۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے یہ حکم بھی تھا: (۴۴)

In case you go out to the battle against your enemies and Jehova your God has given them into your hand and you have carried them away captives, and you have seen amongest the captives a woman beautifull in form ....taken her for your wife, you must than bring her in to the midst of yours house. She must now shave her hed and attend to her mails, and remove the mantle of her captivity from her and dwell in your house and weep for her father and mother a hole lunar month; and after that you shold have relation with her, and you must take possession of her as your bride, and she must become your wife.

اگر تم دشمن کے خلاف جنگ کرنے کے لیے جاؤ اور تمہارا خدا دشمن کو تمہارے قبضے میں دے دے، تم ان کو قیدی بنالو اور تم اس کے درمیان ایک خوب صورت عورت دیکھو جو تمہیں اچھی لگے اور تم اسے اپنی بیوی بنالو تو تم اسے اپنے گھروں میں لاؤ، وہ اپنا سر مونڈے اور ناخن تراشتے اور غلامی کا لباس اتار کر تمہارے گھر میں رہے اور ایک پورا

قمری مہینہ اپنے ماں باپ کا سوگ منائے۔ اس کے بعد تم اس سے خلوت کرو اور بہ طور دلہن اسے اپنے قبضے میں لو اور تمہاری بیوی بنے۔

بائبل کی یہ تعلیمات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کر رہیں کہ آپ کو اس اجازت پر زندگی میں صرف ایک بار عمل کا اختیار ہے یا جب دشمن سے جنگ پیش آئے آپ اس اجازت سے فائدہ اٹھائیں۔

مستشرقین جس بات کو سب سے زیادہ اچھالتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی خواہشات پر مکمل کنٹرول حاصل تھا، اس لیے آپ نے ایک شادی کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی، جب کہ ان کے مقابلے میں حضرت محمد ﷺ کو اپنی خواہشات پر مکمل کنٹرول نہیں تھا، اس لیے آپ نے متعدد عورتوں سے شادی کی، اس کے بعد وہ مقدس ہستیوں کے درمیان موازنہ کرتے ہیں ان دونوں انسانوں کے مابین کتنا تفاوت ہے جن میں سے ایک کو اپنی خواہشات پر مکمل کنٹرول حاصل ہوا اور دوسرا زندگی بھر اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے سرگرم رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی، اس میں کچھ حکمت ضرور ہوگی، جسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، تاہم حضور ﷺ کی شادیوں کے مسئلے پر تفصیلاً غور کرنے سے پہلے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے مندرجہ ذیل حقائق کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

۱۔ حضور ﷺ نے پچیس سال کی عمر تک کوئی شادی نہیں کی۔

۲۔ آپ ﷺ کے مردانہ حسن اور نسبی وجاہت کی وجہ نے ان عورتوں کی کمی نہ تھی جو آپ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتی تھیں۔

۳۔ آپ ﷺ نے جنسی اباحیت کے ماحول میں اپنا عنفوان شباب تجرد کی حالت میں گزارا، لیکن کسی کو آپ کے دامن عفت پر کوئی دھبہ نظر نہ آیا۔

۴۔ آپ نے پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں کی۔ جس خاتون کو سب سے پہلے اپنی زوجیت کا شرف بخشا، وہ آپ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں، شادی کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ حضور ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے وہ دو خاوندوں کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔

۵۔ حضور ﷺ اپنی عمر کے پچاسویں سال تک اور اپنی زوجہ محترمہ کی عمر کے پینسٹھویں سال

تک جب تک آپ کی وہ زوجہ محترمہ زندہ رہیں، آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔

۶۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ نے جس خاتون سے شادی کی وہ ایک بیوہ اور معمر خاتون تھیں۔

۷۔ ایک زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سوا آپ کی تمام ازواج مطہراتؓ میں سے کوئی بھی باکرہ نہ تھیں، حال آں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے امتیوں کو باکرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد خواتین کو اپنے نکاح میں لینے کے باوجود فرمایا:

مالی فی النساء من حاجة

۹۔ حضور کی اکثر شادیاں پچپیں سے لے کر انسٹھ سال کی عمر کے درمیان ہوئیں۔

۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں کے مقاصد

علامہ محمد علی صابونی نے اپنی کتاب **شبهات و اباطيل حول تعدد زوجات الرسول** میں اس موضوع پر بڑی خوب صورت بحث کی ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد شادیوں کے ان گنت مقاصد کو ان شعبوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ تعلیمی مقاصد

انسانی زندگی کے بے شمار مسائل ایسے ہیں، جن کا تعلق خصوصی عورتوں کے ساتھ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے مسائل کے متعلق جو تعلیمات لے کر مبعوث ہوئے تھے، ان تعلیمات کو امت کی عورتوں تک پہنچانے کے لیے پاک باز، ذہین، دیانت دار اور متقی عورتوں کی ضرورت تھی۔ امہات المؤمنین عورتوں کے جملہ مسائل کی بھی معلمات تھیں اور مردوں کے خانگی مسائل خصوصاً جن کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت فعلی کے ساتھ تھا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ذریعے پہنچے تھے۔

۲۔ سماجی مقاصد

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جان نثاروں کو نوازنے کا ایک اسلوب ان کی صاحب زادیوں سے رشتہ مصاہرت قائم کرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی صاحب

زادیوں کو اپنے نکاح میں لیا اور حضرت علی اور حضرت عثمان کے نکاح میں اپنی صاحب زادیوں کو دے کر رشتہ مصاہرت قائم کیا۔ اسی طرح آپ کی دیگر کئی شادیوں میں بھی سماجی مقاصد سرفہرست تھے۔

۳۔ سیاسی مقاصد

حضور ﷺ کی شادیوں کے متعدد مقاصد میں سے ایک مقصد دشمنوں کے دل جیتنا، اسلام کے ساتھ ان کی مخالفت کو کم کرنا، قبائل کو اس رشتے کے ذریعے اپنے قریب تر کرنا اور اس طرح نور حق کو پھیلانے کے لیے راستہ ہموار کرنا تھا۔

۱۔ بنو مصطلق کے قبیلے کے سردار کی ایک بیٹی جویریہ بن حارث سے آپ نے نکاح کیا تو مسلمانوں نے تمام اسیروں کو رہا کر دیا۔ بنو مصطلق نے جب حضور ﷺ کی عالی ظرفی اور مسلمانوں کے دلوں میں موج زن رسول کے جذبے کو دیکھ کر پورے کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

۲۔ حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ بنت اخطب غزوہ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئیں۔ ان سے نکاح کے بعد یہودی کسی بھی جنگ میں مسلمانوں کے مدمقابل نظر نہیں آئے۔

۳۔ ابوسفیان کی لخت جگر ام حبیبہ سے نکاح کا یہ اثر ہوا کہ اسلام دشمنی کا زور ٹوٹ گیا۔

منٹگمری واٹ نے حضور ﷺ کی ہر شادی میں اس قسم کی حکمتوں کو عیاں دیکھا اور اپنے مستشرقین بھائیوں کے برعکس اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ تعدد زوجات کے سبب حضور ﷺ پر کسی قسم کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ (۴۵)

۹۔ حضور ﷺ کے اخلاق و کردار پر حملے

مستشرقین کو حضور ﷺ کی ذات میں دیگر خوبیاں تو نظر آتی ہیں، لیکن ان کو آپ کی ذات میں حسن خلق کی خوبی کہیں نظر نہیں آتی اور آپ کے متعلق عجیب قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

ٹار اینڈرائے حضور ﷺ کے اخلاق کے متعلق یہ رائے صادر کرتا ہے۔

> In spite of everything that can be said in defence Muhammad's religious integrity and his loyalty to his call, his endurance, his liberality, and his generosity, we are not doing the prophet of Islam an injustice whom

we conclude that his moral personality doesn't stand upon the same level with his other endowments and indeed, not even upon the same level withhis religious endowments. (46)

مذہبی راست بازی، اپنے مشن سے وفاداری، ثابت قدمی، روشن دلی اور سخاوت وغیرہ جو باتیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دفاع میں کہی جاسکتی ہیں، ان سب کے باوجود یہ کہنا پیغمبر اسلام سے ناانصافی نہ ہوگی کہ ان کے اخلاق کا معیار وہ نہیں جو ان کی دیگر خوبیوں اور صلاحیتوں کا ہے، بل کہ ان کی اخلاقی شخصیت ان کی مذہبی شخصیت کے ہم پلہ بھی نہیں ہے۔

اب اس کے جواب میں قرآن بارہا دلائل دیتا ہے۔

سورۃ القلم میں قرآن کہتا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ (۴۷)

اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کردار کی ان گنت خوبیوں کی تعبیر کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ لفظ خلق ہے۔ امام رازی ''خلق'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الخلق ملكة نفسانية على المتصف بها الاتيان بالافعال الجميلة

نفس کے اس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں کہ جس میں وہ پایا جائے، اس کے لیے افعال جمیلہ اور خصائل حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان اور سہل ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

بعثت لأتمم حسن الاخلاق (۴۸)

میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں، تاکہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔

نتائج بحث

عقیدت مندی، یقین اور وابستگی کے عناصر سے استوار ہونے والے مسلمان کے عقیدے سے ہی سیرت کے بارے میں اس کے رویے کا تعین ہوتا ہے اور اس کے نزدیک سیرت نبوی ان عقیدوں کی عملی تشریح ہوتی ہے جن سے وہ اپنے آپ کو وابستہ گردانتا ہے۔

اس بحث سے ہم مندرجہ ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

۱۔ استشراق کی تحریک کا آغاز عملاً آٹھویں صدی عیسوی میں ہو چکا تھا، اگرچہ اس تحریک کو یہ نام کئی صدیوں بعد دیا گیا۔

۲۔ اس تحریک کو شروع کرنے والوں کی اکثریت راہبوں اور پادریوں پر مشتمل تھی، جن میں مشرق سے تعلق رکھنے والے بھی تھے اور مغرب سے تعلق رکھنے والے بھی۔

۳۔ استشراق کا قافلہ شروع سے ہی دو راہوں پر گامزن ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو اسلامی علوم سے متاثر ہوئے اور معرفت وحکمت کی جو روشنی ان علوم کی وجہ سے اسلامی مشرق کو بقعہ نور بنا رہی تھی، انہوں نے مغرب کی فضاؤں میں بھی اس شمع کو روشن کرنے کا تہیہ کیا۔ انہوں نے اسلامی علوم سے کام حقہ استفادہ کیا۔ ان ہی لوگوں کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج علم کے پیاسے یورپ کی طرف دیکھنے پر مجبور ہیں اور یورپ مادی ترقی کی اس منزل تک جا پہنچا ہے، جہاں انسانی معاشرہ پہلے کبھی نہیں پہنچا تھا۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کی کوششوں کا محرک اسلامی دشمنی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ایسے لوگ جسے خود روشنی سمجھتے ہیں، اس کے علاوہ کسی دوسری روشنی کا وجود تسلیم کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔ وہ اسلامی تعلیمات کی طرف محض اس لیے متوجہ ہوتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کی کمزوریوں کو تلاش کر کے انہیں نقصان پہنچا سکیں۔ اور مسلمانوں کے مقابلے میں ان ہی ہتھیاروں سے مسلح ہو سکیں جن کی بہ دولت مسلمانوں نے دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

مستشرقین آج کل ایسی کتابیں لکھ رہے ہیں جن میں مندرجہ ذیل عنوانات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ سیرت کے ماخذ میں شکوک۔

۲۔ رسول اللہ کی ذات پر جزوی اعتبار سے شبہات۔

۳۔ احادیث کے مستند اور غیر مستند ہونے کے بارے میں شکوک۔

مستشرقین بہ حیثیت مجموعی احادیث کو چیلنج نہیں کرتے اور نہ ہی قرآن پاک کو چیلنج کرتے ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو چیلنج کرتے ہیں، وہ دراصل اپنے آپ کو محقق کہلوا کر مسلمانوں کے ذہنوں کی آب یاری کرنا چاہتے ہیں، تاکہ ان کے دلوں میں شکوک وشبہات کا بیج بو دیا جائے۔

اس معاملے میں ایک بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ کسی بڑے سے بڑے اسلام دشمن نے

یوحنا دمشقی سے لے کر آج کے زمانے کے مصنفین تک کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو غیر تاریخی قرار نہیں دیا۔ سب نے یہ مانا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی ایک تاریخی شخصیت حقیقتاً موجود تھی۔

Bertrand Russel جو برطانوی فلاسفر تھا، اس نے لکھا ہے کہ میں نہیں مانتا کہ عیسیٰ نام کا کوئی آدمی تھا، یہ سب فرضی شخصیتیں تھیں۔

اسی طرح حضرت موسیٰ، ہندوؤں میں رام چندر جی اور کرشنا وغیرہ کی شخصیتیں ہیں، ان کے ہونے اور نہ ہونے پر شک ظاہر کیا گیا ہے، مگر بڑے سے بڑے مخالف کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تصوراتی یا فرضی شخصیت قرار دینے کی جرأت نہیں ہوئی۔

مستشرقین کی تمام تر کاوشیں جزوی چیزیں ہیں۔ اس سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے کئی علمی حملے کیے، مگر کسی کا نام ونشان تک باقی نہیں، تو پھر یہ حملے کیسے رہ سکتے ہیں؟ ان کے مقابلے میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں لکھی گئی کتابیں اتنی زیادہ ہیں اور محفوظ ہیں اور ان کی طباعت کا کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔

استناد کے اعتبار سے سیرت کا علم ایسی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے کہ مستشرقین اور ان کے حامیوں کے فرسودہ علمی حملے ان بنیادوں کو ہلا تک نہیں سکتے۔ کوئی بڑی سی بڑی کوشش، کوئی بڑی مساعی، اس کو کمزور نہیں کر سکتی۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ⑧ (۴۹)

یہ لوگ اپنے منہ کی پھونک سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پورا پھیلا کر رہے گا، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے۔

حوالے

۱۔ خاکوانی، محمد باقر، پروفیسر، ڈاکٹر۔ موجودہ دور میں سیرت النبی کے بارے میں تحریک استشراق کے مقاصد و اسباب۔ ظفر، ڈاکٹر عبدالرؤف، (مرتب) مقالات سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسلامیہ یونیورسٹی، بھاول پور

۲۔ ابن منظور۔ لسان العرب۔ دار صادر، بیروت، لبنان: ج ا، ص ۷۵۶

03. Hans wehr, Dictionary of modern written Arabic Ed.J.M, Cowan, New York 1961

۴۔ عبدالحق۔ سٹینڈرڈ اردو ڈکشنری۔ انجمن اردو پریس، دکن، ۱۹۳۷ء: ص ۷۹۶

۵۔ عمر فروخ۔ الاستشراق، ماله وما عليه۔ الاستشراق والمستشرقون" ص: ۱۵، عدد خاص۔ مجلہ المنهل، عدد۔ ۴۷۱، اپریل۔ مئی ۱۹۸۹ء

6. The oxford Dictionary of English (11 / 200 (The Biological Society

۷۔ الجبری، عبد المتعال محمد۔ السيرة النبويہ وأوہام المستشرقین۔ مکتبہ وہبۃ ۱۴ شارع الجمہوریۃ، عابدین، القاہرہ: ص ۸

8. karen Armstrong, Muhammad a Biography of The Prophet (P:25) New york, 1992

۹۔ تحریک استشراق: ص ۴۲۔ ۴۳

۱۰۔ المصدر السابق: ص ۴۴

11. Saeed, Edward W, "Orientalism" (p:17.18 New york

۱۲۔ السامرائی، نعمان عبدالرزاق۔ الفکر العربی والفکر الاستشراقی۔ الریاض، ۱۹۸۹ء: ص ۳۰

۱۳۔ الندوی، ابوالحسن علی۔ الاسلامیات بین کتابات المستشرقین۔ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت: ص ۱۵۔ ۱۶

۱۴۔ بداوی، ڈاکٹر عبدالرحمن۔ موسوعۃ المستشرقین۔ دار العلم للملایین، بیروت، ط ۱، ۱۹۸۴ء

۱۵۔ شبلی، عبدالجلیل عبدہ۔ صور استشراقیہ۔ مجمع البحوث الاسلامیہ الازہر، ط ۱، ۱۹۷۸ء: ص ۷

۱۶۔ فاروقی، محمد علی، کشاف۔ اصطلاحات الفنون۔ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ: ص ۶۶۳

۱۷۔ ضیاء النبی: ج ۷، ص ۱۶۹

۱۸۔ منٹگمری واٹ۔ محمد ایٹ مکہ۔ ایڈمبرا یونیورسٹی، پریس برطانیہ، ۱۹۸۸ء: ص ۴۷

۱۹۔ ضیاء النبی: ج ۷، ص ۲۲۳۔ ۲۲۲

۲۰۔ عرجون، محمد الصادق ابراہیم۔ محمد رسول اللہ۔ دار القلم، دمشق، ۱۹۸۵: ج ۵، ص ۲۵۶

۲۱۔ ولیم میور۔ محمد اینڈ اسلام۔ ریلیجن ٹریکٹ سوسائٹی لندن: ص ۲۲

۲۲۔ فنک اینڈ ویگنلز ینیو انسائیکلو پیڈیا فنک اینڈ ویگنلز پبلشرز امریکہ: ج ۹، ص ۳۲۰

۲۳۔ محمد اینڈ اسلام: ص ۲۲

۲۴۔ محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین: ص ۱۲

۲۵۔ محمد اینڈ اسلام: ص ۸۔ ۹

۲۶۔ محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین: ص ۱۷

۲۷۔ محمد اینڈ اسلام: ص ۴۷

۲۸۔ ضیاء النبی: ج ۷، ص ۳۳۵

۲۹۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دی مین اینڈ ہز فیتھ: ص ۹۸

۳۰۔ البقرہ: ۱۴۶

۳۱۔ جارج سیل (مقدمہ) The koran۔ فریڈرک وارن اینڈ کمپنی لندن ۱۸۹۰: ص ۹۵

۳۲۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۳۱۰

۳۳۔ ضیاء النبی: ج ۲، ص ۲۲۶

۳۴۔ النجم: ۱۹۔ ۲۰

35. The Koran-p38

۳۶۔ کتاب استثناء: باب ۲۰، آیات ۱۰ تا ۱۳

۳۷۔ لوقا انجیل: باب ۲۲، آیت ۳۶

۳۸۔ متی کی انجیل: باب ۱۰ آیات۔ ۳۴۔ ۳۵

۳۹۔ البقرہ: ۱۹۰

۴۰۔ الاحزاب: ۵۰

۴۱۔ الاحزاب:۵۲
۴۲۔ محمد اینڈ اسلام:ص۱۲۶
۴۳۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان۔ رحمۃ اللعالمین۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔: ج۲،ص۱۲۷
۴۴۔ کتاب استثناء: باب۲۱ آیات ۱۰۔۱۳
۴۵۔ محمد ایٹ مدینہ:ص۲۸۸۔۲۸۷
۴۶۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دی مین اینڈ ہز فیتھ:ص۱۹۱
۴۷۔ القلم:۴
۴۸۔ موطا امام مالک۔کتاب حسن الخلق:ص۷۵۸
۴۹۔ الصف:۸